وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

(اور انکے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔)

★ یہاں اتنا کہنا کافی تھا " وَقَالَ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ..." لیکن نَبِيُّهُمْ (انکے نبی نے) حالانکہ فاعل (نبی) کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ نبی اور بنی اسرائیل کے درمیان ہی بحث چل رہی تھی تو یہ واضح بات تھی کہ کون کس سے کہہ رہا ہے۔ پھر بھی نَبِيُّهُمْ بھی کہا گیا۔ یہ تعجب کا اظہار ہے کہ انھیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جو ان سے بات کر رہے ہیں وہ اُنکے نبی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے نبی کا احترام کرتے۔ حجت بازیاں نہ کرتے۔ لیکن انھوں نے اپنے نبی کا لحاظ نہیں رکھا کہ اُنکے نبی اُن سے بات کر رہے ہیں۔

چونکہ قرآن کی گرامر بہت ہی اعلیٰ درجہ کی گرامر ہے اسلیے کچھ غیر مسلم بھی گرامر سیکھنے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ قرآن کی صرف گرامر ہی نہیں بلکہ الفاظ بھی چنے چنے ہیں جو واقعی قابلِ غور ہیں۔ یہ بلاغت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔

★ نبی نے إِنَّ یعنی بے شک کا لفظ استعمال کیا۔ إِنَّ کا لفظ شک دور کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نبی نے اپنی بات ہی إِنَّ (بے شک) سے شروع کی تاکہ بنی اسرائیل کو کوئی شک نہ ہو اور کوئی سوال یا بحث نہ کرے۔ عام عربی زبان میں إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ کہا جاتا ہے یعنی إِنَّ کے بعد مُبْتَدَا (جو اسم ہوتی ہے) لائی جاتی ہے جب جملہ اسمیہ ہو۔ اور إِنَّ کی وجہ سے جملہ اسمیہ میں تاکید ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر جملہ فعلیہ میں تاکید (Emphasize) کرنا ہو تو قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ کہا جاتا ہے۔ یعنی قَدْ کے بعد فعل لایا جاتا ہے۔

★ لیکن یہاں إِنَّ کے ساتھ قَدْ بھی لایا گیا یعنی جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے تاکیدی حروف (إِنَّ اور قَدْ) کو لایا گیا۔ دونوں طرح کے جملوں میں تاکید ہیں۔ اسے ہم اسطرح کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ زور دے کر بات کرنا ممکن نہیں۔ بہت ہی زیادہ زور (Emphasize) دیا گیا ہے۔ یعنی مکمل طور پر یقینی (Absolutely certainty) بات ہے کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہاں لَكُمْ (تمہارے لیے) پہلے لایا گیا حالانکہ عام عربی زبان کی ترتیب میں لَكُمْ آخر میں آتا ہے (بَعَثَ طَالُوتَ مَلِكًا لَكُمْ)۔ ترتیب میں اگر لَكُمْ پہلے آئے تو بات میں زیادہ زور ہوتا ہے۔ اسے المَفْعُول المُقَدَّم کہتے ہیں۔ یعنی خاص طور پر تمہارے لیے ہی طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اتنے سارے زور دینے سے بات اسطرح ہوگی کہ "وہ اللہ کی طرف سے یقینی یقینی طور پر مقرر ہے"۔ طالوت کا چنا جانا تمہارے ہی فائدے کے لیے ہے۔

بنی اسرائیل کی پہلے سے عادت رہی حجت بازیوں کی اور حکم کے خلاف کام یا بات کرنے کی۔ وہ مخلص مومن نہیں تھے۔ اسلیے نبی نے اتنا زور دے کر بات کئے۔ نبی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ طالوت کو میں نے نہیں چنا بلکہ اللہ نے چنا ہے۔ اگر تم نے حجت بازیاں کی تو تم مجھ سے نہیں بلکہ اللہ سے حجت بازیاں کر رہے ہو۔

طالوت ← عربی میں لمبے قد کو طویل کہتے ہیں۔ اور انتہائی لمبا، اتنا لمبا کہ کوئی اور اتنا لمبا نہ ہو تو اسے طالوت کہتے ہیں۔ چونکہ طالوت قد و قامت میں اتنے لمبے تھے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص انکی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ وہ علم اور جسمانی طاقت میں بھی زیادہ تھے۔ تورات میں ان کا نام ساؤل (Saul) آیا ہے۔

فَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ

(انھوں نے کہا: ہم پر اسکی بادشاہی کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ہم بادشاہی کے اس سے زیادہ حقدار ہیں؟ اور اسے مال کی وسعت نہیں ملی)

یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی نسل سے یہودیوں کے جو بارہ خاندان ہوئے وہ بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔ ان میں سے لاوٗ بن یعقوبؑ کا قبیلہ وہ تھا جس میں بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر آئے۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ اسی قبیلہ سے تھے۔ یہود ابن یعقوبؑ کا قبیلہ حکومت اور سلطنت کے لیے مخصوص تھا۔ داؤد اور سلیمانؑ اسی قبیلہ میں سے تھے۔ سب سے چھوٹا قبیلہ بِنْيَامِيْن کا تھا جس میں سے طالوت تھے۔ یہ قبیلہ مالی طور پر کمزور رہتا تھا۔ خود طالوت سقایت (پانی بھرنا) یا دباغت (چمڑہ رنگنا) کا کام کیا کرتے تھے۔ اور کچھ نے کہا کہ وہ چرواہے (Shephard) تھے۔

اسی وجہ سے لاوٗ بن یعقوب اور یہود ابن یعقوب کے قبیلے کے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان کو چھوڑ کر یہ سرداری بنیامین کے قبیلہ کے پاس کیسے چلی گئی۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ انھی میں سے کسی کو بادشاہ بنایا جائے۔ واللہ اعلم۔

جب بتایا گیا کہ طالوت کو بادشاہ بنایا جا رہا ہے تو وہ کہنے لگے ہم پر اسکی بادشاہی کیسے ہو سکتی ہے۔

★ لفظ "کیسے" کے لیے عربی میں "کَیْف" بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں أَنّٰى لفظ استعمال کیا گیا۔ یہ لفظ عربی میں جب "کیسے" لفظ پر بہت زیادہ زور (Emphasize) دینا ہوتا ہے تب استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بہت ہی تعجب سے کھینچ کر انھوں نے کہا "کیسے" (How-ww) ۔ جب کسی کا حال پوچھنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں " کَیْفَ حَالُكَ " تب أَنّٰى حَالُكَ نہیں کہتے کیونکہ یہ کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کے سرداروں نے بہت تعجب کا اظہار کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک عام مرد اہ ہمارا بادشاہ بنے۔ واقعی وہ ہمارا بادشاہ بنے گا! کیا ہے طالوت کے پاس اس بنیاد پر وہ ہم سے زیادہ بادشاہ بننے کا مستحق ہے!

پچھلی آیت (246) میں انھوں نے خود نبی سے کہا تھا کہ "ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کرے تاکہ ہم اللہ کے راستے میں لڑے (یعنی ہم ہمارے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے لڑے گے اور آپ کی رہنمائی کی پیروی کریگے)"۔ پھر جب بادشاہ مقرر کیا گیا تو حجت بازیاں شروع کر دی۔ کہنے لگے ہم بادشاہت کے زیادہ حقدار ہے طالوت سے۔ اس میں ایسی کیا صلاحیتیں ہیں جو ہم میں نہیں ہیں۔

★ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ (اسکو تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی)۔ وہ اسطرح بھی کہہ سکتے تھے کہ اسکے پاس مال بھی نہیں ہے (لَيْسَ لَهُ الْمَال یا مَالَهُ الْمَال)۔ لیکن انھوں نے کہا "وہ نہیں دیا گیا" لَمْ يُؤْتَ یہ مجہول کا صیغہ (Passive voice) ہے۔ اسطرح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ "اللہ ہی مال دیتا ہے۔ اللہ نے ارادہ کیا کہ ہم مالدار رہے اور وہ غریب رہے۔ یعنی اللہ کی مرضی ہے کہ ہم بادشاہ بنے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہمیں اقتدار ملے" اسطرح کہہ کر وہ اپنے نبی کو سکھا رہے ہیں کہ اللہ کی مرضی کیا ہے!

الحجرات : 16 ← کہہ دو کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین سکھا رہے ہو جبکہ وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے"

★ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ دولت کے لحاظ سے وسعت کی ایک بھی مثال اسکی نہیں ہے۔ یعنی اسکی زندگی میں ایک بار بھی اسکے پاس کبھی دولت نہیں دیکھی گئی۔

وُسْعًا ← مصدر ہے "مثال واوی" کی۔ معنی ہے وسعت، فراخی، کشادگی۔ یہ ضِيْق (تنگی) کی ضد ہے۔

سَعَةً ← اِس میں جو تاء مربوطہ (ة) ہے وہ مَرَّةً (ایک مرتبہ) کے لیے بھی آتا ہے۔

یعنی سادے (Simple) زبان میں: اسکی زندگی میں ایک مرتبہ بھی زیادہ پیسہ (دولت) نہیں دیکھا گیا اسے کبھی بھی دولت سے نوازا نہیں گیا۔ پھر وہ بادشاہت کو کیسے سنبھالے گا۔ بادشاہ بننے کے لیے مالدار ہونا چاہیے لیکن اسکے پاس تو مال بھی نہیں۔ اُنکے نزدیک بادشاہ بننے کا معیار مالدار ہونا ہے۔ آج ہمارے یہاں بھی مالدار شخص کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے چاہے اُسکے پاس عقل کی کمی ہو۔ حالانکہ اصل چیز قابلیت دیکھنی چاہیے کہ کون رہنما (Leader) بننے کے قابل ہے۔ لیکن زوال یافتہ قوموں کے معیار چھوٹے ہوتے ہیں۔ انکی سوچ اونچی نہیں ہوتی۔ وہ مال دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس کلاس سے ہیں۔ بہرحال۔ بنی اسرائیل اپنے نبی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم پر حجت بازیاں کر رہے تھے کیونکہ اللہ نے جو حکم دیا تھا وہی نبی انکو بتا رہے تھے۔ نبی نے اپنی طرف سے فیصلہ نہیں کیا تھا کیونکہ نبی اپنے خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے بلکہ انکے پاس جو اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے وہی بات کہتے ہیں۔ یہ باتیں قرآن میں کیوں بتائی جا رہی ہے! مدینہ میں جب آپؐ گورنر بنے تب اِنھی کی طرح کے سوالات لوگوں نے کرنا شروع کئے اور کہنے لگے ہمارے پاس زیادہ مال ہے۔ آپؐ کے پاس تو کچھ بھی نہیں اور وہ تو ہمارے اندر سے نہیں آئے ہے بلکہ مکہ سے آئے ہے جسطرح طالوت کو گورنر چننے پر تنقیدیں کی گئی اُسی طرح آپؐ کو گورنر چننے پر بھی تنقیدیں کی گئی۔ صرف یہود ہی نہیں بلکہ منافقین بھی اسطرح کی باتیں کرنے لگے۔ جیسے کہ عبداللہ بن اُبَی منافق جو مالدار تھا اور مدینہ کا گورنر بننے والا تھا لیکن آپؐ کے آنے کی وجہ سے نہیں بن پایا۔ وہ اپنے آپکو آپؐ کے مقابلے زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ کیونکہ وہ مالدار تھا اور آپؐ مہاجر تھے جنکی انصار مدد کر رہے تھے۔

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

(اس [نبی] نے کہا: بے شک اللہ نے اُسے تم پر چن لیا ہے، اور اُسے علم اور جسم [دونوں] میں زیادہ کشادگی دی ہے)

شروعات میں بھی نبی نے بات پر زور دے کر سرداروں سے کہا تھا کہ اللہ نے ہی طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے پھر بھی وہ حجت بازیاں کرنے لگے۔ اب دوبارہ نبی ان سے کہہ رہے ہیں کہ بے شک اللہ نے اُسے تم پر چنا ہے۔ بار بار نبی کہہ رہے ہیں کہ طالوت کو مقرر کرنا اللہ کی طرف سے ہے (یعنی میری طرف سے نہیں ہے یہ فیصلہ)۔ حالانکہ نبی کو اسطرح بار بار کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ جو بھی فیصلہ یا حکم دیتا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کو ہر آیت یا حدیث کے بعد یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ یہ سمجھنے والی بات تھی۔ چونکہ بنی اسرائیل کا ایمان سطحی تھا۔ دینداری صرف دکھاوے کے لیے تھی۔ انکے نبی ان سے اچھی طرح واقف تھے۔ انھیں پتہ تھا کہ میری قوم مجھ پر اور میری ہدایات پر ایمان نہیں لاتی۔ اِس لیے ثبوت دینے کے لیے انھیں بار بار کہنا پڑ رہا تھا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

اصْطَفٰىهُ ← (ص ف و) :- "صفو" کے معنی پاک وصاف ہونا یا خالص (Pure)

اصْطَفٰى عَلٰى ← وہ پاک وصاف یا بہت خالص ہے جو خاصیت تم میں نہیں ہے۔

★ اصطفیٰ ← پاکیزگی اور نفس کی طہارت کی بناء پر کسی چیز کا انتخاب کرنا یا کسی کی اپنی پسند کی وجہ سے کسی کا انتخاب کرنا جو بغیر کسی منطقی وضاحت (Logical explanation) کے ہو۔ کسی کے مشورے یا صلاح دینے کی وجہ سے انتخاب نہیں کیا بلکہ خود اپنی خالص مرضی سے چنا ہو۔ اپنا ذاتی فیصلہ ہو۔ (جیسے کسی کو کوئی رنگ یا کوئی کھانے پینے کی چیز پسند ہوتی ہے اسکا وہ اپنے لیے انتخاب کرتا ہے) یہ لفظ استعمال کرکے نبی نے بتایا کہ اسے (طالوت کو) اللہ نے منتخب کیا ہے۔ یہ خالص اللہ کی پسند ہے۔ اسلیے سوال نہ کرو۔ اِس کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں کہ اللہ نے طالوت ہی کو کیوں چنا، کسی اور کو کیوں نہیں چنا۔ اگرچہ اُسے اللہ نے چنا ہے چونکہ تم نے خود کہا کہ ہمیں اللہ کے راستے میں لڑنا ہے اسلیے بادشاہ چاہیے پھر جب طالوت کو بادشاہ بنایا گیا تو تم کہنے لگے کہ ہم زیادہ حقدار ہیں۔ تو سنو! اسکے پاس ایسی چیز ہے جو تم میں نہیں ہے۔ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (اُسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی دی ہے)۔ اللہ نے طالوت کو دو قوتیں دی ہیں۔ علم (ذہنی) اور جسم (جسمانی)۔ یعنی حقیقی اور معنوی قوتیں دی ہیں۔ جو رہنما (Leader) بننے کے لیے بہت ضروری ہے۔ طالوت کو جو غیر معمولی صلاحیتیں دی گئی وہ عام انسان سے بہت زیادہ تھی۔

علم میں زیادہ کشادگی :- بہت وسیع علم، مختلف قسم کا علم، حکمتیں، دُور کی سوچ رکھنے والا، جب کسی بات کا فیصلہ لینا ہو تو بہت ساری باتوں کے بارے میں سوچنے والا اور ذہانت۔ اِسی طرح فوجیوں کا لیڈر ہونے کے لیے فوجیوں کی قابلیت، میدانِ جنگ، تدبیر (Strategy)، کتنے وسائل (Resources) موجود ہے، میدانِ جنگ میں کب تک رہنا ہے اور کسطرح فوجیوں کو ابھارا جائے وغیرہ کے علم کی ضرورت ہوتی ہے جو اللہ نے طالوت کو عطا کی تھی۔

جسم میں زیادہ کشادگی :- جسمانی قوت، چُست، لڑنے میں ماہر، صحت مند، دشمن اگر دھمکی دے تو دل کے دورے نہیں پڑتے ہو یعنی دل بھی مضبوط۔

دنیا میں کچھ لوگ بہت علم والے ہوتے ہیں لیکن جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ جسمانی طور پر بہت قوت والے ہوتے ہیں لیکن علم والے نہیں ہوتے۔ اللہ نے طالوت کو یہ دونوں چیزیں غیر معمولی طور پر عطا کی تھی۔ اسلام میں قیادت (Leadership) کی اہلیت علم اور قابلیت کی بنیاد پر ہے۔ جو جس چیز کا رہنما بنے وہ اُس چیز کا علم رکھتا ہو اور جہاں جسمانی قوت کی ضرورت ہے وہاں ویسے ہی شخص کا انتخاب کیا جائیگا چونکہ جنگ میں دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اسلیے یہاں دونوں کی بات کی گئی۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ

(اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہت عطا کرتا ہے)

یاد رہے کہ بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اس لیے کہا مُلْكَهٗ (اسکی بادشاہت)۔ یعنی اپنی بادشاہت جسے چاہتا ہے اسے ہی عطا کرتا ہے۔ اس پر ذمہ داریاں ڈالتا ہے۔ اللہ اپنی ساری بادشاہت میں سے تھوڑی سی بادشاہت کچھ وقت کے لیے کسی کو دیتا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بادشاہ بنے وہ بھی محدود وقت اور محدود علاقے کے ہی بنے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

(اور اللہ بڑا وسعت والا خوب جاننے والا ہے)

اپنی اتنی بڑی بادشاہت میں سے بالکل تھوڑی سی بادشاہت کسی کو کچھ وقت کے لیے دینے سے اس کے وسعت میں کمی نہیں آتی۔ وہ تو بہت ہی زیادہ وسعت والا ہے۔

اِسی آیت میں کہا گیا کہ سرداروں نے طالوت کے بارے میں کہا تھا کہ اُسے تو مال میں وسعت نہیں دی گئی۔ اِس پر کہا گیا کہ اللہ نے طالوت کو علم اور جسم میں تم سے زیادہ کشادگی دی۔ تم کہتے ہو اس کو مال نہیں دیا گیا تو یاد رکھو اُسے تو اس نے مقرر کیا ہے جسکے پاس سارا مال ہے۔ طالوت کو علم بھی اسی نے دیا ہے جو بہت ہی زیادہ علم والا ہے۔ اللہ کو پتہ ہے کہ دوسروں کی بنسبت طالوت کو بادشاہ بنانے سے طویل مدت (Long term) تک کیا کیا فائدے ہیں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون بادشاہت کا مستحق ہے اور کون نہیں ہے۔ کون اِس قوم کی رہنمائی کرکے انھیں آگے بڑھا سکتا ہے اور کون اِس قوم کی قیادت کرکے انھیں ذلیل وخوار کر سکتا ہے۔